

Lesson 4: Yusuf (Ayaat 58- 87): Day 16

سُورَةُ يُوسُفَ كِي تَفْسِير

اب یوسفؑ نے بھائی کو اعتماد میں لیا، کہا ان کو کچھ نہ کہنا۔ اب اُنکی روانگی ہے۔ پہلے قافلہ روانہ ہوا تھا تو اُنکا سامان اُنکو واپس کر دیا۔ اب بھی گفٹ دینا چاہتے ہیں۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيبُ إِنَّا كُمْ لَسَارِقُونَ

﴿٤٠﴾

جب یوسفؑ ان بھائیوں کا سامان لدوانے لگا تو اس نے اپنے بھائی کے سامان میں اپنا پیالہ رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا "اے قافلے والو، تم لوگ چور ہو"۔

السَّقَايَةَ پینے کے برتن کو کہتے ہیں۔ پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھوا دیا۔ قافلہ چل پڑا تو رکرز کو سامان میں کوئی چیز کم لگی تو انہوں نے آواز دی کہ رُک جاو۔ ہمیں شک ہے کہ آپ لوگوں کے سامان میں نہ چلی گئی ہو۔

قَالُوا وَقَبِلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٤١﴾

انہوں نے پلٹ کر پوچھا "تمہاری کیا چیز کھوئی گئی؟"۔

قَالُوا انْفَقِدْ صَوَاعِ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٤٢﴾

سرکاری ملازموں نے کہا "بادشاہ کا پیمانہ ہم کو نہیں ملتا" (اور ان کے جمعہ ار نے کہا) "جو شخص لاکر دے گا اُس کے لیے ایک بار شتر انعام ہے، اس کا میں ذمہ لیتا ہوں"۔

کہنے لگے کہ بادشاہ کا ایک پیالہ نہیں مل رہا۔ جو ڈھونڈ کے لائے گا اُسے انعام میں ایک اونٹ اناج مل جائے گا۔

قَالُوا اتَّاللَّهُ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٤٣﴾

ان بھائیوں نے کہا "خدا کی قسم، تو لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔"

قَالُوا فَمَا جَزَاءُ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿٤٤﴾ انہوں نے کہا "اچھا، اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو چور کی کیا سزا ہے؟"

قَالُوا جَزَاءُ مَنْ وُجِدَ فِي مَرْحَلِهِ فَهُوَ جَزَاءُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤٥﴾

انہوں نے کہا "اُس کی سزا؟ جس کے سامان میں سے چیز نکلے وہ آپ ہی اپنی سزا میں رکھ لیا جائے، ہمارے ہاں تو ایسے ظالموں کو سزا دینے کا یہی طریقہ ہے۔"

یوسف اُس دور کے مسلمان تھے اور مصر میں انگلش قانون تھا۔ اُس دور میں مسلم شریعت میں چوری کی سزا یہ تھی کہ اگر کسی کا چوری کا سامان کسی سے مل جائے تو وہ ایک سال کے لیے اُس مالک کا غلام بن جاتا تھا۔ یہاں سے ایک بڑا خوبصورت قانون مل رہا ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں رہتے ہوئے بھی مسلمانوں پر مسلم قانون لاگو ہوتے تھے۔ جیسے ہم آج ان غیر مسلم ملکوں میں رہتے ہیں تو ہمیں یہاں کے قانون ماننا پڑتے ہیں۔ تو مصر ایک غیر مسلم ملک تھا۔ یوسف کو اسلامی قوانین کا علم تھا تو اس بناء پہ وہ جانتے تھے کہ اسلامی قانون کے مطابق اس کی سزا میں بنیامین میرے پاس رہ سکتے ہیں۔

وہ بار بار پوچھ رہے تھے کہ اس کی کیا سزا ہے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ یوسفؑ اُن پر غیر اسلامی قوانین نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَ جَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٤٦﴾

تب یوسفؑ نے اپنے بھائی سے پہلے اُن کی خرجیوں کی تلاشی لینی شروع کی، پھر اپنے بھائی کی خرجی سے گم شدہ چیز برآمد کر لی اس طرح ہم نے یوسفؑ کی تائید اپنی تدبیر سے کی اُس کا یہ کام نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑتا لایا کہ اللہ ہی ایسا چاہے ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔

یوسفؑ نے بھائیوں سے تلاشی لینا شروع کی اور پیالہ بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔ اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے یوسفؑ کے لیے یہ تدبیر کی۔ یہ قرآن کا بہت بڑی نقطہ ہے۔ یہاں لوگوں کو بہت غلطی لگی اور کہنے لگے کہ یوسفؑ نے خود ہی پیالہ سامان میں رکھا اور خود ہی نکال لیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہیں تھا، خاندان کو ملانا تھا۔ یوسفؑ چونکہ نبی تھے۔ نبیوں کے پاس حکمت ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یوسفؑ کو وحی کے ذریعے سنبھالیا کہ اگر آپ بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں، تو یہ تدبیر اختیار کریں۔ اور ایک اور بات بھی تھی کہ لوگوں کو مسلمان کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مصر ایک غیر اسلامی ملک تھا۔ اب اس کے بعد یہ اسلامی ملک بننے والا تھا۔ یوسفؑ تو پہلے ہی یہاں تھے، اب بنیامین کو بھی رکھنا مقصود تھا، پھر بیٹے کو لینے کے لیے باپ بھی آجائے گا۔ تو جب بہت سارے مسلمان کسی جگہ آ کے رہتے ہیں تو وہاں اسلام نظر آتا ہے۔ اسلامی مزاج لانے کے

لیے اللہ تعالیٰ نے ایک تدبیر کی اور وہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو کوئی حکم دیتا ہے تو اُس پہ مجھے اور آپ کو کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔ رہ گئی بات پیالہ ڈالنے کی تو پیالہ ڈالا یا کچھ اور تو نوٹ کریں کہ پہلے پیالے کے لیے لفظ **آيَا صُوعًا** آیا۔ رکھا **سِقَايَةً** تھا۔ نکالا **صُوعًا** تھا۔ فرق سمجھیں۔

عربی زبان میں پینے کے برتن مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ **صُوعًا** کہتے ہیں پینے کا وہ برتن جو سونے یا چاندی کا ہو۔ شیشے کے برتن کو **قَدَح** کہتے ہیں۔ لکڑی کو ہو تو اُسے **عَصَص** کہتے ہیں۔ اور چمڑے کا ہو تو **عَلَب**۔ اور مٹی کا ہو تو **اِرْكَن**۔ یوسفؑ نے **سِقَايَةً** رکھوایا تھا۔ ور کر نے **صُوعًا** گمنے کی آواز لگائی۔ یہ صرف کوانیڈنٹس تھے۔ یوسفؑ نے پیالہ تحفے میں رکھا تھا۔ یہ وہ نقطہ ہے کہ جہاں خاموشی سے گزر جانا بہتر ہے بالکل اس طرح جس طرح ہم حروفِ مقطعات پہ گزر جاتے ہیں۔ اگر یوسفؑ نے ایسا کیا بھی تھا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُنہیں سکھایا تھا۔ مصری قانون یہ نہیں تھا کہ جس سے پیالہ نکلے اُس کو رکھ لیا جائے۔ اُنکی سزا کچھ اور تھی۔ لیکن یہاں لفظ **دِينِ الْمَلِكِ** بڑا اہم ہے۔

دین کی ڈیفینیشن کے اعتبار سے یہ آیت بہت اہم ہے۔ **دِينِ الْمَلِكِ** کا مطلب ہے ”بادشاہ کا دین“۔ وہ نظام جس کے تحت اُس پورے ملک کو چلایا جا رہا تھا۔ وہ قانون آمریت کا تھا۔ بادشاہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہوتا تھا۔ ہر قانون، پر حکم اُس کی مرضی کے تابع تھا۔ اسلام میں اقتدار، اختیار صرف اللہ کا ہے۔ عملی زندگی میں اللہ کو قانون اُس وقت نافذ ہوتا ہے جب لوگ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اللہ کے حکموں کو عمل میں لاتے ہیں۔ یہی وہ غلبہ دین تھا جس کی خوشخبری سورۃ النصر میں دی گئی۔ **إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ**

وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ ﴿٢﴾ **وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَنْفَاجًا**۔ وہاں **دِينِ اللَّهِ** ہے اور یہاں **دِينِ**

الْمَلِكِ۔ ساری بات کا خلاصہ کیا ہے کہ آج بھی اگر دنیا میں دین کا غلبہ چاہیے تو اللہ کے نظام کو قائم کرنا

ہو گا۔ شاہی اور بادشاہی نظام کو نہیں۔ حضرت یوسفؑ چونکہ اُس ملک کے بادشاہ نہیں تھے کہ قانون بدل سکتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ تدبیر کروائی۔

یہ بڑی خوبصورت بات ہے **نَرَفَعُ دَرَجَاتٍ** کہ ہم بلند کرتے ہیں درجے۔ یوسفؑ کی بظاہر ساری باتیں نیچا دکھانے والی تھیں لیکن اصل میں درجے بلند ہو رہے تھے۔ **پَهْرَ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ**۔ علم کے بھی درجے ہوتے ہیں۔ ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا نام **عَلِيمٌ** ہے۔ اس پر بھی بہت بحث ہوئی۔ اللہ کا نام **عَلِيمٌ**۔ نہیں بلکہ **العَلِيم** ہے۔

اس آیت نے اس بات کا دروازہ کھول دیا کہ کوئی جتنا بڑا عالم کہلائے، وہ آخری عالم نہیں ہے۔ آنے والے دور میں اُس سے بڑے عالم آئیں گے۔ آج بھی اُن سے بڑے عالم ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھار ہم ایک نام سے سٹک ہو جاتے ہیں کہ ان سے بڑا عالم کوئی نہیں، ان سے زیادہ اچھی بات کوئی نہیں کر سکتا۔ اللہ کہتے ہیں نہیں دروازہ کھولو۔ پیچھے بھی بات ہوئی کہ اگر بچے ماں باپ سے زیادہ عقلمند نہ ہوں تو دنیا کا نظام ہی بگڑ جائے۔ اسی طرح اُستادوں سے اچھے شاگرد آتے ہیں۔ ایک اچھا اُستاد وہ نہیں ہے جو اچھا پڑھائے، اچھا اُستاد وہ ہے جو اچھا کوچ ہو۔

کوچ کا کام اندر کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ جب اُستادوں کے نام کے ساتھ ایک خاص ٹھپہ لگ جاتا ہے تو علم کی ترقی رُک جاتی ہے۔ ہماری ترقی اسی لیے رُک ہوئی ہے کہ ہم نے چند ہستیوں سے آگے دین کو لینا ہی چھوڑ دیا۔

قَالُوا إِنِّي سَرِقٌ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَيِّدْهَا لَهُمْ قَالِ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَانًا
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٤٤﴾

ان بھائیوں نے کہا "یہ چوری کرے تو کچھ تعجب کی بات بھی نہیں، اس سے پہلے اس کا بھائی (یوسفؑ) بھی چوری کر چکا ہے" یوسفؑ ان کی یہ بات سن کر پی گیا، حقیقت ان پر نہ کھولی بس (زیر لب) اتنا کہہ کر رہ گیا کہ "بڑے ہی برے ہو تم لوگ، (میرے منہ در منہ مجھ پر) جو الزام تم لگا رہے ہو اس کی حقیقت خدا خوب جانتا ہے"۔

یہاں دیکھیں سگے اور سوتیلے کا فرق سامنے آ گیا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے کہہ رہے تھے ہم چوری کرنے نہیں آئے۔ لیکن جو نبی بنیامین کے سامان سے پیالہ نکلا دیکھا تو فوراً بیان بدل دیا کہ اگر اس نے چوری کر لی تو کیا ہوا، اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ یہاں سے یوسفؑ کے بھائیوں کا ہلکا پن دکھتا ہے۔ ہر جملے سے نظر آ رہا ہے۔ بالفرض اگر بنیامین نے چوری کی بھی ہوتی تو یوسفؑ کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

لیکن یہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر کوئی ایک غلطی کرتا ہے تو اس کے سارے خاندان کو الزام دیتے ہیں۔ حالانکہ یوسفؑ نے چوری نہیں کی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یوسفؑ یہ الزام اس لیے لگایا کہ وہ بچپن میں جو گھر میں روٹیاں پڑی ہوتی تھیں اُس کو چپکے سے لے کر فقیروں کو دے آتے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ گھر میں ایک بُت تھا، یوسفؑ ایک دفعہ اُسے اٹھا کے نالے میں پھینک آئے۔

بچپن کی بھولی باتوں کو بنیاد بنا کے اُن پہ الزام لگا رہے ہیں۔ یوسفؑ کا دوسرا موقع ہے اپنے جذبات پہ قابو پانے کا۔ یوسفؑ حکمت سے صبر سے برداشت کر گئے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر حال میں پُر اُمید۔ ہم ہوتے تو کیا کرتے، کہتے تم چور، تمہارے گھر والے چور۔ اور اتنی لمبی گردان کھولتے جو ختم ہی نہ ہوتی۔ ”کردار سازی“، پر یہ سورۃ یوسف کا حُسن ہے۔ اپنی اولاد کو یہ خوبیاں دیں۔ دُنیا کے کسی بازار میں بھی گئے، انشاء اللہ آپ کا نام روشن کریں گے۔

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَنذِرُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٨﴾

انہوں نے کہا "اے سردار ذی اقتدار (عزیز)، اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے، اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، ہم آپ کو بڑا ہی نیک نفس انسان پاتے ہیں۔"

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ اتْنِ جُمْلَةَ يَوْمَئِذٍ الْبَاطِلِ الَّذِينَ يَفْتُرُونَ عَلَى الْبِرِّ كَذِبًا لَعْنَةُ الْبَاطِلِ الَّذِينَ فَتَرُوا لِلنَّبِيِّينَ كَذِبًا أَصْحَابًا لَهُمْ أَعْيُنٌ رَأَتْ وَأَرْسُلٌ أَرْسِلُ رُسُلَهُمْ لِيَكْتُمِبُوا رِجْلَهُمْ فَهُمْ فِي آسَافٍ مَّرْجُونٍ ﴿٤٩﴾

ایک طرف جس یوسفؑ پر الزام لگا رہے ہیں، اُدھر اُن کو ”سردار ذی اقتدار“ کہہ رہے ہیں۔ آج لوگوں کو بھی یہی حال ہے ایک طرف کسی کی تعریف کر رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف اُسی کی بُرائیاں کر رہے ہوتے ہیں۔

إِنَّا نَنذِرُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ۔ ہم آپ کو محسن دیکھتے ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ لفظ ”محسن“ یوسفؑ کی شخصیت کا حصہ تھا۔ جس انسان کے اندر کوئی خوبی زبان ذِعام ہو جائے تو وہ سچ ہوتی ہے۔ اللہ اُس کی خوبی کو نمایاں کر دیتا ہے۔ کہنے لگے ہم میں سے کسی کو رکھ لیں اور اسکو چھوڑ دیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ ﴿٤٩﴾ □

یوسفؑ نے کہا "پناہ بخدا، دوسرے کسی شخص کو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے کو رکھیں گے تو ہم ظالم ہوں گے"۔

یہاں یوسفؑ کی خوبی دیکھیں کہ اصول نہیں توڑا۔ ہم جب کسی کی خوشی کے لیے اصول توڑتے ہیں تو دوسرے کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ بھی توڑے۔ اسلام میں اقربا پروری نہیں ہے، کوئی رشتہ داری کی بنیاد پر کسی کو آگے یا پیچھے نہیں کر سکتا۔

فَلَمَّا اسْتَأْيَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ
وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِىَ أَبِى أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لىَ وَهُوَ خَبِيرُ الْحَكِيمِينَ



جب وہ یوسفؑ سے مایوس ہو گئے تو ایک گوشے میں جا کر آپس میں مشورہ کرنے لگے ان میں جو سب سے بڑا تھا وہ بولا "تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے والد تم سے خدا کے نام پر کیا عہد و پیمان لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسفؑ کے معاملہ میں جو زیادتی تم کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے اب میں تو یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا پھر اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمادے کہ وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

إِنرَجِعُوا إِلَىٰ آبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمَنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿٨١﴾

تم جا کر اپنے والد سے کہو کہ "اباجان، آپ کے صاحبزادے نے چوری کی ہے ہم نے اسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے بس وہی ہم بیان کر رہے ہیں، اور غیب کی نگہبانی تو ہم نہ کر سکتے تھے۔"

یہاں بھی دیکھیں کہہ رہے ہیں "آپ کے بیٹے نے"۔ وہ انکا بھی کچھ لگتا تھا۔ لیکن حقیقت ہے کہ کچھ لوگوں کی ٹون نہیں بدلتی۔ آپ صرف صبر کر سکتے ہیں، لیکن وہ نہیں بدلتے۔ کہہ رہے ہیں کہ اباجی آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے لیکن ہم نے دیکھا نہیں۔ آپ یقین نہیں کریں گے اس لیے قافلے والوں سے پوچھ لیں۔ اب کی بار سچے تھے تو تمام دلائل دے رہے ہیں۔ سچا انسان ہر ممکن اپنی سچائی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

وَسَأَلَ الْقُرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ﴿٨٢﴾

آپ اُس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہم تھے اُس قافلے سے دریافت کر لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔"

قَالَ بَلْ سَأَلْتُكُمْ أَنفُسَكُمْ أَهَرَأَفْصَبُ جَمِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ وَأَبِصَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾

باپ نے یہ داستان سن کر کہا "دراصل تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک اور بڑی بات کو سہل بنا دیا اچھا اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا کیا بعید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لاملائے، وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں۔"

باپ نے یقین نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جھوٹا انسان اپنا اعتبار کھادیتا ہے۔ **فَصَبْرٌ جَمِيلٌ**۔ یعقوب وہی کہہ رہے ہیں جو اتنے سالوں پہلے یوسفؑ کی خبر سُن کے کہا۔ لیکن ابھی بھی پُر اُمید ہیں۔ دو بیٹے چھن گئے لیکن ابھی بھی اُمید نہیں چھوڑی۔ اسکو کہتے ہیں اُمید سے بھرا ہوا انسان۔ بُرے سے بُرے حالات میں ہمیشہ روشن پہلو دیکھتے ہیں۔

الْعَلِيمُ سے مُراد ہے کہ وہ بہتر جانتا ہے کہ دونوں بیٹے کس حال میں ہیں اور **الْحَكِيمُ** سے مُراد ہے کہ دوسرے بیٹے کے جانے میں کیا حکمت ہو یہ وہ بہتر جانتا ہے۔ زندگی میں ایک ٹھوکر لگے تو اس کے بعد دوسری ٹھوکر مبارک ہوتی ہے۔ ہم ایک صدمہ سہہ کے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ باپ کی غم میں آنکھیں جا چکی تھیں۔ اب پھر یوسفؑ یاد آگئے۔ بیٹوں کی بات سچ تھی کہ آپکو یوسفؑ سے بہت پیار ہے۔ یعقوبؑ پر بیٹے کی جُدائی میں جو گزری قرآن کے الفاظ اُس پہ گواہ ہیں۔

یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ کسی کا بچہ فوت ہو جائے تو یہ ایک صدمہ ہے لیکن اگر بچہ کھو جائے تو یہ اُس سے بھی بڑا صدمہ ہے۔ اُس کی یاد مستقل دل میں رہتی ہے۔ انتظار لگا رہتا ہے، ابھی آجائے گا۔

قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوۡا تَدُّ كُرۡيُوسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوۡنَ مِنَ الْهٰلِكِيۡنَ ﴿۸۵﴾

پھر وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ "ہائے یوسفؑ! وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔

قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوۡ اِبۡتٰى وَحٰزِنِيۡ اِلَى اللّٰهِ وَاَعَلَمۡ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعَلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾

بیٹوں نے کہا "خدارا! آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کیے جاتے ہیں نوبت یہ آگئی ہے کہ اس کے غم میں اپنے آپ کو گھلا دیں گے یا اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے"۔

یہاں دیکھیں باپ سے بات کا انداز۔ یوسف کا نام سُن کے پھر بھڑک اُٹھے۔ یہاں لفظ حَرَضًا کو دیکھیں۔ حَرَضًا بیماری کو کہتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ اللّٰهَ اِنَّهٗ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ﴿٨٤﴾

میرے بچو، جا کر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہو کرتے ہیں"۔

اپنے بیٹوں کو غم میں مختلف کیفیات بتاتے ہیں۔ یہ وہ غم کی پرچھائیاں ہیں جو ہمیں نبیوں کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں۔

یہ وہ لفظ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَيْنِيْ وَحْزِنِيْ اِلَى اللّٰهِ بے شک میرے غم کا شکوہ اور شکایت اللہ پر ہے۔

اَشْكُوْا، اردو میں شکوہ لفظ بھی اسی سے ہے۔ شکوہ ایسی چیز ہے کہ جو بات دل میں ہوتی ہے وہ زبان پہ آ جاتی ہے۔ شکایت کے معنوں میں۔ بَيْنِيْ، بِنْت سے ہے۔

قرآن پاک میں یہ لفظ آتا ہے کہ اللہ کے بنائے کائنات میں بہت سارے لوگ۔

بِئْسَىٰ اُس غم کو کہتے ہیں جس کو انسان چھپانا چاہے لیکن پھر بھی لوگوں کو پتہ چل جائے۔ حضرت یعقوبؑ لوگوں سے اپنا غم چھپانا چاہتے تھے لیکن بچوں سے دور ہو کے اکیلے میں اللہ سے باتیں کر رہے ہیں۔ کہ اے اللہ لوگوں کے سامنے تو بہت مضبوط بنا ہوں اور ایک بندہ مومن حقیقت میں اس کی تصویر ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں آگے جا کے آپ پڑھیں گے کہ ایک مومن باہر سے بہت مضبوط نظر آتا ہے لیکن جب اللہ کے سامنے جاتا ہے تو بندگی کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ پھر اُس وقت اُسکی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ میں اس وقت دنیا کا مجبور ترین اور کمزور انسان ہوں۔ میں جو بھی کرنا چاہوں نہیں کر پاتا اور یہ کیفیت انسان کی زندگی میں ضرور آتی ہے۔

یعقوبؑ کا غم ذاتی غم تھا۔ اُنکو اولاد کا غم تھا تو اُن کی زبان پر یہ کلمات آگئے۔ لیکن اگر آپ دیکھیں تو نبیؐ کو دین کے راستے میں کچھ اس طرح کے غم ملے کہ اُن کی زبان پر بھی ایسے الفاظ تھے۔ اگر آپ نے دعائے طائف کے نام پر ایک دعا جس کو دعائے مسطفین بھی کہا جاتا ہے، کمزوروں اور بیماروں کی دعا۔ تو نبیؐ نے طائف کے موقع پر یہ دعا مانگی تھی کہ جس کے بارے میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے نبیؐ سے پوچھا کہ آپؐ کی نبوت میں سب سے مشکل وقت کون سا آیا۔ تو آپؐ نے کہا کہ طائف کا دن میرے لیے سب سے مشکل ترین دن تھا۔

آپؐ خود بھی سوچ سکتے ہیں کہ پاؤں میں خون کی وجہ سے جو تیاں بھی چپک رہی تھیں۔ آج گاڑی پہ جائیں تو دو ڈھائی گھنٹے لگ جاتے ہیں اور آپؐ اُس وقت پیدل گئے۔ زید بن حارث آپؐ کے ساتھ تھے۔ اُس وقت آپؐ کی زبان پر یہی الفاظ تھے؛ اے اللہ میں تیری جناب میں فریاد لے کر آیا

ہوں۔ اپنی قوت کی کمزوری اور اپنے وسائل کی کمی کا اور لوگوں کے سامنے جو میری توہین ہوئی ہے۔
اے اللہ تو مجھے کس کے حوالے کرتا۔

جو انسان کے لیے بڑا ہوتا ہے، دُکھ میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو لوگوں کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے پھر اپنے غم بھی اُسی کو سُنا تا ہے اور جس کے لیے اللہ سب سے بڑا ہوتا ہے پھر اُس کے غم اور دُکھ سب اللہ سے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اپنے دُکھ سُنانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

میں اصل میں کیا ہوں؟ میرے اللہ کی نظر میں کیا ہوں؟ کبھی آپ کے دل میں یہ سوال آیا۔ میرے دل میں یہ بات بہت آتی ہے کہ میں اللہ کی نظروں میں کیسی ہوں؟ تو مجھے موسیٰ کی وہ بات یاد آتی ہے، اے اللہ تو آسمان پہ ہے اور ہم زمین پہ ہیں۔ کیسے پتہ چلے کہ تو مجھ سے خوش ہے یا ناراض ہے تو اُس پہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نشانیاں بتائی تھیں۔

ہر ایمان والے کے دل میں یہ دھڑکا ہونا چاہیے کہ میرا مقام اللہ کی نظر میں کیا ہے؟ اللہ کے ساتھ بندے کا معاملہ دُکھ اور سُکھ کے وقت کھلتا ہے۔ جب دُکھوں کا پانی پڑتا ہے تو انسان کے اوپر سے تمام نقلی رنگ اُتر جاتا ہے۔ اگر تو وہ مومن ہے تو اُس وقت وہ اللہ کی طرف جھک جاتا ہے۔

ہمارے لیے عمل کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے حالات کو بہتر کریں۔ دُکھ یا سُکھ میں اللہ کے ساتھ گہرا تعلق بندے کو اُس دُکھ میں مدد دیتا ہے۔

آپ پورا قرآن پڑھ لیں لیکن اگر اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط نہیں تو بات نہیں بنے گی۔

اگر کسی دکھ یا پریشانی میں آپ کو اس باختہ ہو رہی ہیں، یا گھبرا رہی ہیں تو سمجھیں آپ نے ابھی اپنے معاملات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں اور ابھی آپ کا اللہ سے تعلق نہیں جڑا اور اگر آپ کسی بھی طرح کے حالات میں سکون سے ہیں اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر چکی ہیں تو پھر آپ کا تعلق اللہ کے ساتھ بن چکا۔ ہر قسم کے حالات کو اللہ کی مرضی سمجھیں۔ ہم اس دنیا کو جنت نہیں بنا سکتے، جنت تو ہمیں آگے جا کے ملے گی۔

حضرت یعقوبؑ دوسروں کے سامنے اس لیے بھی نہیں روئے کہ جب بندہ دوسروں کے سامنے روتا ہے تو ہلکا پڑتا ہے، لوگ شروع میں آپ کے آنسو پونچھیں گے، لیکن جب دو تین دفعہ آپ اپنا دکھ کسی کو سنائیں گے تو وہ آپ سے کترانا شروع کر دے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ وہ آپ سے جان چھڑانے لگیں گے۔ لوگ تب تک آپ سے خوش ہوتے ہیں جب تک آپ انہیں خوش کرتے ہیں۔ اسی کو خودی کہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی پہ کہا تھا کہ؛

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے کمزور نہ کرنے کا نام ہے۔ لوگوں کے سامنے کم سے کم کھلیں۔ لوگ کہیں کہ آج تک آپ نے اپنا دکھ نہیں سنایا تو آپ کہہ سکیں کوئی ہے ہی نہیں تو سناؤں کیا۔ پریشانیاں سب کو آتی ہیں لیکن محسوس نہ کریں۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس صبر پر شہیدوں کا ثواب دیا اور نبیؐ کی اُمت میں سے جو اس طرح صبر کرے گا اُسے بھی یہی ثواب ملے گا۔ صبر کبھی ضائع نہیں جاتا۔

ایک آخری بات کہ دو گھونٹ اللہ کو بڑے پیارے لگتے ہیں، ایک وہ جو کسی مصیبت پر انسان بھرے اور ایک وہ غصہ جسے آنے پہ انسان پی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین